Tarjihaat
Volume: III
Issue: II
February 2023
فروری ۲۰۲۳
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

ارتکاز افضل (اورنگ آباد)

قصرِ سخن کا امین : قیصر الجعفری

شہر ممبئی کو یونہی عروس البلاد نہیں کہا جاتا اس شہر نے اپنی رعنائیوں اور رنگینیوں سے لاکھوں صاحب علم و فضل ،شاعر ،ادیب، فنکار اور تجارت پیشہ حضرات کے مقدر سنوارے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کئی افراد کے مقدر بگاڑے بھی ہیں۔ دراصل دنیا کے تمام بڑے شہروں ہی کی طرح ممبئی بھی ایک میٹروپولیٹن شہر ہے جہاں لوگ جھونپڑیوں، جھگیوں سے بالا خانوں تک اور نیم روشن بستیوں سے لے کر فائیو اسٹار ہوٹلس کی رونقوں سے دو چار ہوتے ہیں۔ ہر بڑا شہر اپنے بطن میں بے شمار چھوٹی چھوٹی بستیاں بسائے رکھتا ہے۔ لوگ تلاشِ معاش، بہتر مواقع کی تلاش میں اپنا نصیبہ سنوارنے کی غرض سے مختلف علاقوں اور ریاستوں سے جوق در جوق آتے ہیں اور اپنی قسمت آزماتے ہیں۔ بنیادی طور پر ماہی گیروں کی یہ بستی جب ممبئی بن گئی تو اس نے اپنے وسیع دامن میں ہر علاقے، ہر گاؤں اور ہر ریاست کے باشندے کو پناہ دی۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شہر داخلی ہجرت ہی کے توسط سے پھلتے پھولتے ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے حدودِ اربعہ سے نکل کر یہ شہر شاہراہوں تک پھیل جاتے ہیں۔ یہی کچھ صورت حال شہر ممبئی کی بھی ہے جہاں آکر ہر زبان کا بولنے والا، ہر لکھنے والا اور ہر ثقافت کی ترجمانی کرنے والا گروہ مل جائے گا۔ لوگ اپنی اپنی ثقافتوں کی زنبیلیں پشت پر لادے خوابوں کی ایک چھوٹی سی دنیا سجائے شہروں کی طرف رخ کرتے ہیں اور زندگی کی تگ و دو میں لوٹنا بھول جاتے ہیں۔ لیکن ماضی کی وہ زنبیل جو وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی شعور میں بسائے رکھتے ہیں سو صورتوں سے عیاں بھی ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی ماضی سے ایک ناقابلِ منقطع ربط اور زمانۂ حال کی تگ و دو کبھی احساس زیاں پیدا کرتی ہے اور کبھی رائیگاں ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے۔ اگر ایک طرف یہ گومگو کی کیفیت ناسٹیلجیا پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف اسی کیفیت سے جہدِ مسلسل کا حوصلہ بھی ملتا ہے۔ بالخصوص وہ گروہ اور وہ لوگ جو جہد البقا کے ساتھ ساتھ اپنی علمی و ثقافتی میراث اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں ان کا اضطراب اور احساسِ کرب شدید ہو کر مختلف شکلوں میں یہاں وہاں چھلکنے لگتا ہے، کبھی فلمی نغموں میں تو کبھی نظموں اور غزلوں میں، کبھی افسانوں اور ناولوں میں، تو کبھی گیتوں اور موسیقی میں، اور انھیں یہ شہرِ عروس البلاد انگیز کرنے کی بے شمار صورتیں نکال ہی لیتا ہے۔

قیصر الجعفری شہر ممبئی کی کہکشاں کے وہ درخشاں ستارے ہیں جو عمر بھر جلتے بجھتے رہے اور اپنی بے پناہ شعری صلاحیتوں کے ذریعہ اس شہر کے ادبی افق کو درخشاں و تاباں کرتے رہے۔ قیصر الجعفری نے انتہائی عسرت کے دن بھی دیکھے اور وہ جذباتی صدمے بھی سہے جن سے گزرنے کے بعد عام طور پر لوگوں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ ''رنگ حنا'' سے لے کر ''اگر دریا ملا ہوتا'' تک کا طویل شعری سفر قیصر الجعفری نے تنہا طے کیا۔ یہ تنہائی سماجی یا معاشرتی نوعیت کی نہ ہو کر خالص دانشورانہ رہی۔ انھیں اس

Tarjihaat
Volume: III
Issue: II
February 2023
فروری ۲۰۲۳
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

بات کا قطعی دکھ نہیں کہ معاشرتی اعتبار سے انھوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔انھیں دکھ ان ثقافتی قدروں کی زوال آمادگی کا ہے جو انسانی رابطوں، شرکتوں اور ہم آہنگی کی ضامن ہوتی ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ قیصر الجعفری کی شعری لفظیات ہماری تہذیب اور ثقافت میں پیوست ہیں۔گو کہ قیصر الجعفری کا شعری سفر کافی طویل اور کم و بیش پچہتر سالوں پر محیط ہے،ان کے شعری سفر کا کوئی مرحلہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں وہ بحیثیت شاعر تھک ہار کے یا ہمت ہار کے بیٹھ گئے ہوں بلکہ ''ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی'' کے مصداق اپنی شعری کائنات کو مزید سنوارتے اور سجاتے رہے۔قیصر الجعفری نے بہت عمدہ غزلیں، نظمیں اور بے شمار فلمی گیت بھی لکھے جو اردو دنیا میں مشہور ہو کر قبولیت عام سے سرفراز ہوئے۔ان کے اشعار اور نظمیں پڑھنے کے بعد بے اختیار یہ خیال آتا ہے کہ شعر گوئی قیصر الجعفری کے مزاج میں رچ بس گئی تھی۔نہ کسی شعر پر آورد کا گماں ہوتا ہے اور نہ کسی نظم پر صناعی کا۔جب کبھی شعر کہتے ہیں تو شعر تیر کی طرح دل میں ترازو ہو جاتا ہے اور جب نظم کہتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔''رنگِ حنا'' کے تعلق سے جعفری صاحب نے کہا تھا کہ یہ مجموعہ دل آسودہ کے خوابوں کا پیکر تھا جب کہ ''سنگ آشنا'' ایک ایسے فرد کی داستان ہے جو پرانے خوابوں کے ڈھیر میں نئے خوابوں کی تلاش و جستجو کے لئے صرف اپنی ذات کے آس پاس گھوم رہا ہے۔جعفری صاحب کا یہ حوالہ محض اس غرض سے درج کیا گیا کہ ہم ان کے اپنے محسوسات سے واقف ہوں۔یہاں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ قیصر الجعفری ہمارے عہد کے ایک قادر الکلام شاعر ہیں لہٰذا عجز و انکساری ان کی گفتار و رفتار میں شامل ہے۔لہٰذا نہ ''رنگِ حنا'' بقول قیصر الجعفری محض مجموعہ دل آسودہ کے خوابوں کا پیکر اور نہ ہی ''سنگ آشنا'' صرف ذات کے آس پاس گھومتا ہے اور یہی بات ان کے دیگر مجموعوں مثلاً ''اگر دریا ملا ہوتا''، ''پتھر ہوا پھینکیں''، ''دشت بے تمنا'' اور ''حرف تسلیم'' وغیرہ پر بھی من و عن صادق آتی ہے۔

قیصر الجعفری نے تمام عمر شعر و ادب کی خدمت کی۔ان کے اشعار میں رمز و اشاریت اور شائستگی اظہار کے درجنوں پیرائے جا بجا بکھرے پڑے ہیں اور کبھی کبھار تو ایسا لگتا ہے کہ زبان و بیان اپنے تمام تر جواہر بے بہا لئے ان کے دربار میں سر تسلیم خم کرکے آ کھڑی ہے اور گویا کہہ رہی ہو کہ ''سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے'' چونکہ بنیادی طور پر قیصر الجعفری کے مزاج میں یک گونہ درویشانہ بے نیازی از خود موجود ہے۔وہ اپنے اشعار کو نہ موضوع کا مطیع و فرمانبردار گردانتے ہیں اور نہ ہی زبان و بیان کی شائستگی سے غیر ضروری چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔اسی لئے عام روش کے خلاف ان کے اشعار داخلی ربط و تسلسل کا نادر نمونہ پیش کرتے ہیں اور کسی حال دولخت نہیں ہونے پاتے۔''رنگ حنا'' سے قیصر الجعفری نے اپنی شاعری کا آغاز کیا لیکن اپنے پہلے ہی مجموعے میں سردار جعفری سے یہ اعتراف کروالیا کہ :

'' غمِ ذات کے بغیر غمِ کائنات کا احساس کسی شاعر کے لئے ممکن نہیں ہے لیکن غمِ کائنات سے فرار اختیار کرکے غمِ ذات کے قلعے میں اسیر ہو جانا شاعری کے لئے نیک فال نہیں ہے۔مجھے خوشی ہے کہ قیصر الجعفری کی شاعری اس تاریک حلقہ کی گرفت سے باہر ہے۔''

''رنگ حنا'' کی ابتداء ہی میں ایک خوبصورت قطعہ رکھ دیا ہے جو امیدِ نو کا ترانہ محسوس ہوتا ہے۔

سرشکِ خونِ تمنامتاعِ دیدۂ تر
ترے لئے ہے نگارِ حیات! رنج نہ کر
کبھی تو رنگِ حنا کے نصیب جاگیں گے
کبھی تو پھول کھلیں گے تری ہتھیلی پر

اس مجموعے میں نظمیں بھی ہیں غزلیں بھی اور زیریں سطح پر ایک نوجوان ذہن کی وہ کیفیات بھی ہیں جو رومان کو شعر کرتی ہیں۔ان کی نظموں اور غزلوں دونوں ہی میں عہدِ عنفوان کی سرمستی بھی ہے اور اس سے منسلک وہ تشویش اور اندیشے بھی جو تذکیر اور تانیث دونوں ہی کے لئے مرحلۂ شوق سے گزرنے کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ان کی ایک طویل نظم ''شعلۂ حنا'' کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

غمِ حیات کی پرچھائیوں سے ڈرنا کیا!
میں زندگی کے نئے خواب بن کے آئی ہوں
اب اس دیار میں واپس بھی ہو نہیں سکتی
کہ اپنی پشت پہ دیوار چن کے آئی ہوں

اور آخری بندمیں اپنی وفااور غرور محبت کا واسطہ دیتے ہوئے ان الفاظ میں درخواست گزار ہے:

رہ حیات کے ساتھی ترا سہارا ہے
مری وفا مری جرأت کی آبرو رکھنا
ترے لئے میں زمانے کو چھوڑ آئی ہوں
مرے غرور محبت کی آبرو رکھنا

بظاہر ان غزلوں اور نظموں کے آہنگ واسلوب پر جاں نثار اختر،اختر الایمان اور علی سردار جعفری کے شعری اظہار ولفظیات کا شائبہ گزرتا ہے اور یہ ایک فطری ردِ عمل ہے کہ ۱۹۵۰ء کے بعد جوان ہونے والی اردو نسل ان شعراء کے اثر سے اپنا دامن چھڑا نہ سکی لیکن ''رنگ حنا'' ہی میں قیصر الجعفری اپنا منفرد اسلوب بھی دریافت کرنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے۔

قیصر الجعفری کا شعری مزاج غزل کی روایت نے ڈھالا ہے لہٰذا زمان و مکاں کی سفاکی ،وقت کا جبر،اور جذبات و محسوسات کی گریز پائی ان کے شعری اسلوب میں جابجا جلوہ گر ہے۔زندگی کی بے ثباتی ہو،وقت کا جبر ہو یا خواہشات وآرزوئوں

کی بے وقعتی قیصر الجعفری ان موضوعات کو اس طرح قلمبند کرتے ہیں کہ ہر شعر یوں گویا معنی کا ایک کوندا سا لپکتا ہے۔ ''رنگ حنا'' کی غزلوں کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وقت کی بوجھل پلکوں سے میں ٹپکا ہوں اک آنسو بن کر
پھیلوں تو بن جاؤں زمانہ، سمٹوں تو اک پل ہو جاؤں

اس خار و خس کی دنیا میں لایا ہوں وقعت شعلے کی
بھڑکوں، چمکوں، رقص کروں اور نظروں سے اوجھل ہو جاؤں

زندگی کے تہیں قیصر الجعفری کا رویہ بے باک بھی ہے اور پر شکوہ بھی۔ لیکن ان کی طبیعت میں جاری و ساری ایک کیفیت گداز بھی موجود ہے جو انھیں سایۂ دار میں ایک سجدۂ بے باک پر آمادہ کرتی ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ ہی کی طرح ان کے اشعار میں جابجا کربلا، شہادت، فرات، یزید جیسی تلمیحات موجود ہیں لیکن وہ معرکہ آرائی نہیں جو سرِ دار سجدہ طلب کرے۔ لٰہذا غزل کی تمام تر تہذیب و شائستگی جو ہماری کلاسیکی روایت کی میراث ہے قیصرؔ الجعفری نے نہ صرف اسے انگیز کیا بلکہ اس کے ساتھ نباہ کرنے کا قرینہ بھی تلاش کر لیا۔ اس روایت کی پاسداری ایک صبر آزما اور جاں گسل مرحلۂ شوق ہے بقول قیصرؔ الجعفری کہ:

پلکوں پہ سو چراغ جلاتے کھڑے رہے
ہم تند آندھیوں کے مقابل اڑے رہے

''رنگ حنا'' کے برعکس قیصر الجعفری کا یہ جاں نثارانہ انداز ''سنگ آشنا''، ''دشت تمنا'' اور ''اگر دریا ملا ہوتا'' کی غزلوں میں مزید واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ''دشت تمنا'' اور ''سنگ آشنا'' کی غزلیں نہ صرف شعری اظہار کے بلوغیت کی مثالیں پیش کرتی ہیں بلکہ غزل کا روایتی اور پر شکوہ مزاج بھی ان میں در آتا ہے۔ ''سنگ آشنا'' کی غزلیں ندرتِ اظہار اور خیال آرائی کی بہترین مثالیں پیش کرتی ہیں۔ ان غزلوں میں یاس بھی، رنج والم بھی اور حسرت وارماں بھی ہے اور وہ جذبۂ جاں نثاری بھی جو سپردگی کو سرفرازی سمجھتا ہے۔ زیر نظر اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوگی جب دامن یوسف کی نمائش ہوگی
مصر قبضہ میں ہے جی بھر کے زلیخائی کر
بھیک بھی صرف محبت کی نظر لیتے ہیں
زندگی ہم سے فقیروں کی پذیرائی کر

جھلملاتے مری پلکوں پہ ستارے کب تک
اے شبِ غم! مرا سرمایۂ جاں تھا کتنا؟

مقتل کی سرزمین تھی یا کوئے مہوشاں
جتنے ستونِ دار تھے دلدار سے لگے

وہی مستی وہی شوخی وہی دیوانہ گری
میری غزلیں ہیں مگر رنگِ ادا ہے اس کا

شہر صلیب، کوئے بتاں، صحن میکدہ
جب گھر لٹا دیا تو ٹھکانے بہت سے تھے

حرف بہار لکھ کر پیشانی سحر پر
ہم لوگ جا رہے ہیں اک دوسرے سفر پر

بچا بچا کے رکھے تھے غزل کے نذرانے
خوشی ہوئی ہے ترے غم کے نام کرکے مجھے

پسِ ترکِ آرزو بھی یہی حالِ زار ہوتا
جو تجھے بھلا بھی دیتے ترا انتظار ہوتا

مذکورہ بالا اشعار کی رمز و اشاریت اس بات پر دال ہے کہ قیصر الجعفری نہ صرف لفظوں کو غزل کے مزاج کے عین مطابق برتنے کا سلیقہ رکھتے ہیں بلکہ وہ غزل کی اشاریت اور ایمائیت سے بھی پوری طرح واقف ہیں اور اسے ہر طرح سے انگیز کر رکھا ہے۔اسی لئے ان اشعار میں بیان کی لطافت بھی ہے اور الفاظ کے برتنے کی ندرت بھی۔

واضح ہو کہ زلیخائی کا تصرف، دامن یوسف کو تو بے شمار اشعار میں باندھا گیا ہے لیکن کسی شاعر نے زلیخائی کرنے کی استدعا نہیں کی یا پھر غزل کے نذرانوں کو غم یار کے نام منسوب کرنے کی مسرت یا مرحلۂ شوق میں ثابت قدمی کے عوض زندگی

Tarjihaat
Volume: III
Issue: II
February 2023
فروری ۲۰۲۳
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

سے پذیرائی طلب کرنے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار لطیف اشارے ان کے اشعار میں جا بجا موجود ہیں جو قارئین سے توجہ بھی طلب کرتے ہیں اور دادِ سخن بھی۔ قیصر الجعفری نے پامال موضوعات کو اپنے اشعار میں خال خال ہی جگہ دی ہے۔ وہ لفظیات جن سے غزل کی اشاریت تعبیر ہوتی ہے وہ کنائے اور رمز جو غزل کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں قیصر الجعفری انھیں اپنے اشعار میں اس قرینے سے برتتے ہیں کہ ان کی غزلوں یں غزل کی روایتی آن بان اور تمکنت بھی باقی رہتی ہے اور خیال کا ایک تازہ و شگفتہ کوندا بھی لپکتا سا نظر آتا ہے۔ ان کی ایک ہی غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :

فرازِ دار و رسن سے نظر بلند رہی
یہی ادا مرے قاتل کو ناپسند رہی

بہت دنوں مجھے زلفِ بتاں سے ربط رہا
بہت دنوں تجھے آوارگی پسند رہی

تمھیں نہ پا کے ملا ناز جستجو دل کو
شکست کھا کے محبت نیاز مند رہی

کسی کو فرصتِ لوح و قلم نہ تھی قیصر
ہمارے بعد جنوں کی کتاب بند رہی

اسی طرح ایک دوسری غزل کا زیرِ نظر شعر بھی غزل ہی کی ایک روایتی آن بان کا مظہر ہے:

شہرِ صلیب، کوئے بتاں، صحنِ میکدہ
جب گھر لٹا دیا تو ٹھکانے بہت سے تھے

موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے غزل کا دامن اس قدر وسیع اور ارتقائی تاریخ اس قدر بسیط ہے کہ ہر وہ موضوع، خیال، جذبہ اور احساس جو انسان کی جذباتی زندگی کو چھو کر گزرتا ہے غزل اسے اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ ہماری کلاسیکی شعری روایت سے لے کر جدید ترین شعری اظہار تک ایک لا متناہی سلسلہ ہے جو عہد بہ عہد ہماری جذباتی و ثقافتی وابستگیوں اور ان میں

وقوع پذیر ہونے والے معمولی اور غیر معمولی تغیرات کا لطیف ترین اظہار غزل ہی سے وابستہ ہے۔ شاید اسی لئے میرؔ نے، جنھیں عرف عام میں خدائے سخن تسلیم کیا جاتا ہے، خود اپنے تعلق سے کہا تھا:

جلوہ ہے مجھی سے لب دریائے سخن پر
صد رنگ مری موج ہے میں طبع رواں ہوں

قیصر الجعفری کا ایک اور کارنامہ ان کی منظوم سیرۃ النبی "چراغِ حرا" ہے رسول کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک پر دنیا کی ہر اہم زبان میں لکھا گیا ہے اور ان تصانیف کی تاریخ اس قدر طویل ہے کہ ایک مختصر سے مضمون میں اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور پھر حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر بے شمار شعراء نے نعتیں بھی لکھی ہیں میری دانست میں عبدالرحمن جامی کی نعت جس کے تعلق سے یہ روایت ہے کہ وہ نعت انھوں نے حضور اکرم ﷺ کے روضے کی جالی کو پکڑ کر اور روتے ہوئے لکھی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی میں پیش کیا گیا عاجزانہ نذرانہ ٔعقیدت ہے۔ اس نعت کا ایک شعر اس قدر معنی خیز اور نیاز مندانہ ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے بے اختیار آنکھیں جذبات سے نم ہو جاتی ہیں ملاحظہ ہو:

چوں سوئے من گذر آئی من مسکیں زناداری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ

لہٰذا نعت گوئی اور سیرت کی متنوع مختلف اللسان اور مختلف الثقافت روایتوں کا ایک اہم جز "چراغ حرا" ہے۔

"چراغ حرا" کی ابتداء میں قیصر الجعفری نے اس بات کی وضاحت کردی کہ یہ طویل مثنوی غزلیہ طرزِ اظہار اور اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ واقعات میں کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے کام لیا گیا لیکن واقعات رقم کرنے میں اس بات کا پورا خیال رکھا گیا کہ علمی اور تاریخی وسائل مستند ہوں اور صائب الرائے حضرات ان وسائل سے متفق ہوں۔ "چراغ حرا" دراصل دور ابراہیم سے لے کر بعثت نبوی ﷺ اور پھر وصال رسول اکرم ﷺ تک کے تمام اہم واقعات مثلاً قیام حرا، دعوت، پیغام، ہجرت، غزوات پر ترتیب وار لکھا گیا ہے۔ تاریخ و سیرت کے مختلف پہلوئوں کو اس احترام اور عقیدت کے ساتھ نظم کیا گیا ہے کہ قیصر الجعفری کا اسلوب بھی نکھرا نکھرا سا نظر آتا ہے۔ سیرت کے موضوع پر قلم اٹھانے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ زبان و بیان کی صحت کے ساتھ ساتھ اظہار اور الفاظ کی حرمت کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی بھی بھول چوک سے عظمت و احترام کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بڑی تحقیق اور کاوش کے بعد ہی قیصر الجعفری نے قلم اٹھایا۔ لہٰذا ابتداء سے لے کر اخیر تک قیصر الجعفری نے بڑی احتیاط اور جانفشانی کے ساتھ اس پروجیکٹ کو مکمل کیا۔ چونکہ زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہیں لہٰذا اس قدر سلیس اور رواں اشعار معرض وجود میں آئے ہیں کہ کہیں کسی شعر پر توارد یا آورد کا گمان تک نہیں گزرتا۔ اس مثنوی نے قیصر الجعفری کی شعری خدمات کو مزید دوبالا کردیا ہے۔ ممبئی جیسے مصروف شہر میں رہتے ہوئے

زندگی گزارنے کی تگ ودو کے تمام مشکل مراحل طے کرتے ہوئے قیصر الجعفری نے کوئی ایک کام نیک نیتی اور استقامت کے ساتھ کیا ہے تو وہ ہے اردو شعر وادب کی پاسبانی۔ان کا لب ولہجہ ان کا اسلوب،ان کی فکر،ان کا اظہار بیان اوران کے موضوعات اردو شعری روایت کے دامن گلزار میں ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتے رہیں گے۔دراصل اچھی اور بڑی شاعری کا ایک وصفِ خاص یہ ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جذبات، محسوسات، مشاہدات اور واردات وغیرہ کو اس چابکدستی سے شعر کا قالب عطا کرکے کہیں کسی تامل یا تردّد کا گمان نہ ہو اور پھر حرف وسخن کی عفت وحرمت کا بھی خیال رکھے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات قیصر الجعفری کے کلام پر من وعن صادق آتی ہے۔اسی طرح کلام کی قرأت کے بعد بے اختیار یہ شعر زبان پر آجاتا ہے کہ :

زباں زنکتہ فراموش وراز من باقیست
بضاعت سخن آخر شد وسخن باقیست

پیدائش : ۱۴ستمبر ۱۹۲۶ء،جون پور

اصل نام: زبیر احمد، قلمی نام قیصر الجعفری

وفات: ۵،اکتوبر ۲۰۰۵ء

والد: قاضی صغیر احمد

نظر گنج، تحصیل چائل، ضلع الہ آباد

***